بوسکی کے کپتان چاچا

گلزار

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی
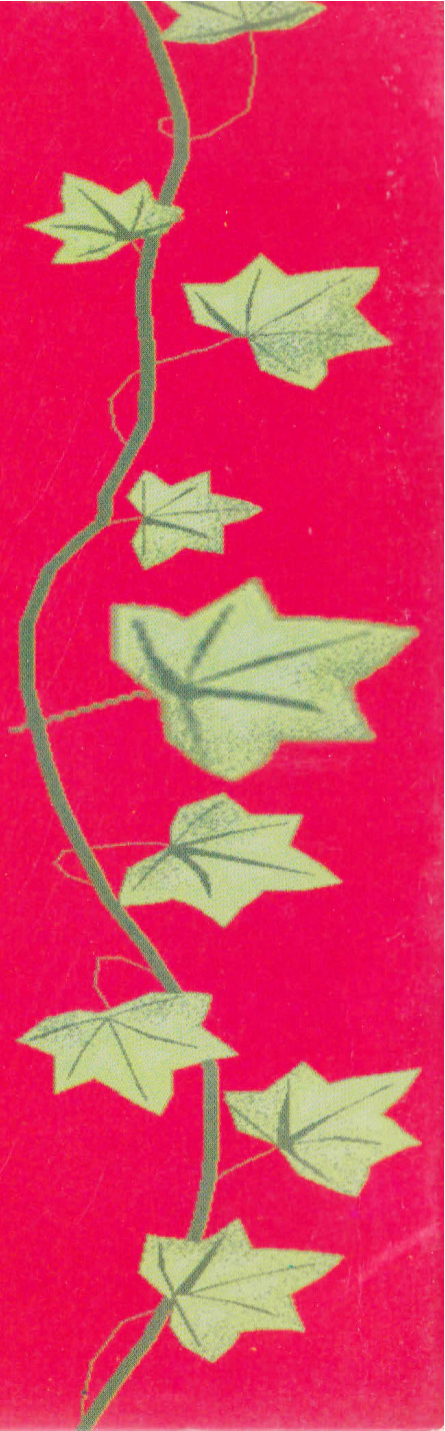
بوسکی کے کپتان چاچا

Boski Ke Kaptan Chacha

By : Gulzar

سنہ اشاعت : 2003
پہلا اردو اڈیشن : 2000
قیمت : 55
سلسلۂ مطبوعات : 1142
پیشکش اور خیال : یشونت ویاس
مصوری : چنچل

ISBN-81-7587-036-2

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،
ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : رادھا کرشن پرکاش پرائیویٹ لمیٹڈ،
G-17، جگت پوری، دہلی۔110051

بوسکی کے کپتان چاچا
گلزار

بوسکی بیٹا!

بارھواں جنم دِن مُبارک ہو۔

عمر کتنے سارے حصّوں میں بٹی ہوتی ہے۔ دِیکھو۔ آپ کو یاد ہے شکسپیر کی ایک نظم پڑھی تھی جس میں عمر کے سات حصّے گنوائے تھے۔ آپ کی، آپ کی مّمی کی اور اپنی عمر کو دیکھ کر مُجھے یہ حصّے کُچھ ایسے نظر آتے ہیں۔

پہلا اِنفینٹ (Infant یعنی شیشو کی عمر)۔ جب آپ خُود سِوائے رونے کے اور کُچھ نہیں کر سکتے۔ سب کُچھ دوسروں کے سہارے کرنا پڑتا ہے۔ چاہے دودھ پینا ہو اور چاہے ... جانے دیجیے! آپ سب گندا کر دیں گے۔ اور پھر بچپنا آتا ہے۔ چائلڈ ہوڈ (Childhood نابالغ عمر) - جس میں آپ سب کُچھ خُود ہی کرنا چاہتے ہیں۔ پاپا کی گود میں بیٹھ کر گاڑی کا اسٹیرنگ بھی آپ ہی سنبھالتے ہیں۔ ہر بات میں غلطی کرتے ہیں۔ لیکن سب غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔

" جانے دو۔ ابھی بچّی ہے - نابالغ ہے۔"

اِس عمر کا سمئے گھٹ بڑھ بھی جاتا ہے۔ کُچھ بچّے دس گیارہ میں بالغ ہونے لگتے ہیں۔ کُچھ بارہ تک بھی انگوٹھا چُوستے رہتے ہیں۔ آپ اِس وقت بِالکل اِسی سرحد پہ کھڑی ہیں۔ یہاں سے ایک اور عمر شروع ہوتی ہے جسے انگریزی میں ٹین ایج (Teenage) کہتے ہیں۔ ہم نَو بالغ کہہ لیں؟) یہ عمر بڑی گڑبڑ کی عمر ہے۔ چھلانگ جانے کو جی چاہتا ہے۔ بڑوں میں گِنے نہیں جاتے اور چھوٹے ہونے کا طعنہ بُرا لگتا ہے۔ ہر وقت بغاوت کر دینے کو جی چاہتا ہے۔ لگتا ہے ہم سب کُچھ سمجھ گئے حالانکہ سمجھ بس شروع ہوتی ہے۔ مزاج طے ہونا شروع ہوتا ہے۔ اِس عمر کے مزاج باقی ساری عمر تک ساتھ چلتے ہیں۔ اِس لیے ابھی سے اِس مُنہ زور گھوڑے کو، جسے مزاج کہتے ہیں، قابو کرنا اور سادھنا بہت ضروری ہے۔ صبر اور دھیرج کی ضرورت ہے۔ بولنے سے زیادہ سُننے اور دیکھنے کی ضرورت ہے - اور سب سے زیادہ سمجھنے کی!

اور پھر ایک اور عمر شروع ہوتی ہے، بالغ ہو جانے کی۔ ایڈل سن ایج (Adolescent Age) بہت چھوٹی سی، دُھندھلی سی میعاد ہوتی ہے اِس عمر کی، جو...... جو آندھی اور طُوفان جیسی پانچویں عمر میں داخل ہوتی ہے جسے جوانی کہتے ہیں۔ اندھا دُھندھ ہوا چلتی ہے۔ چلنے کی سمت نظر نہیں آتی__ پُورب کس طرف ہے، پشچم کِدھر، کُچھ پتا نہیں چلتا۔ مُنہ زور گھوڑا اپنی پوری رفتار و آب و تاب کے ساتھ دوڑتا ہے۔ بار بار لگام ہاتھ سے چھوٹتی ہے۔ پاؤں رکاب سے نِکل جاتے ہیں۔ بدحواسی، جُنون - یہ عمر بڑی خُوبصورت ہوتی ہے۔ اِس عمر کی خُوشیاں بھی اُتنی اچھی لگتی ہیں، جتنے اِس عمر کے غم!

ادھیڑ عمر کے جاتے جاتے ہوش و حواس ٹھہرنے لگتے ہیں۔ اور پھر ساتویں عمر آ جاتی ہے۔ بُڑھاپا۔ بقول شیکسپیر کے، بچپنا ایک بار پھر لوٹ آتا ہے۔ بچّوں کی طرح ضِد بڑھ جاتی ہے۔ سب کُچھ خُود کرنے کی ہٹ نہیں جاتی اور شَریر پہلے کی طرح ساتھ نہیں دیتا۔ یادداشت کم ہو جاتی ہے، غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور تب ... بچّے یہ کہہ کے معاف کر دیتے ہیں۔

"جانے دو - بے چارے بُزرگ ہیں۔"

راج آنٹی، راہی انکل کا آشیرواد۔

مُڑ کے دیکھو۔ تمھاری دوستیاں بہت اچھی ہیں۔ گانگی، گُڑیا ویسے ہی ساتھ ساتھ ہیں۔ دوسرے دوست بھی، لیکن اِس بار پرتھ کے دوست دُور تک آئیں ہیں۔ رِیگن، مِلن اور موٹا گُمفو!

Teenage، یعنی نَو بالغ عمر میں پہلا قدم مُبارک ہو۔

بابو جی
13-12-85

اگری کٹرا اور نگری کٹرا کے بیچ میں ایک چال پڑتی ہے، جس کا نام ہے - 'جے ہند چال'!
اب اِس طرح کے نام گلی- محلّوں یا دُوکانوں کے لیے مُناسب تو نہیں، پر رکھ دِیا
کِسی نے تو کِیا کریں! لوگ حجّام خانوں، شراب خانوں اور گوشت بیچنے کی دُوکانوں کے
نام بھی دیش کے نام پر رکھ لیتے ہیں؛ جیسے - 'بھارت ہیر کٹنگ سیلون'! اب بتاؤ، آدمی
اپنے بال نہ نوچ لے تو کیا کرے ! کٹوالے؟
خیر، بات اُس چال کی ہے جہاں 'کپتان چاچا' رہتے ہیں۔
چال کا نام بے شک 'جے ہند چال' سہی، پر وہ زیادہ جانی جاتی ہے
'گائے چال' کے نام سے۔ تیرتھ رام جنھوں نے بنوائی تھی
وہ چال، انھوں نے چال کے گیٹ پر گائے کی ایک مورتی لگوائی تھی۔
بڑے دھارمِک آدمی تھے۔ وہ صُبح جب مندر سے لوٹتے تھے
تو ایک تِلک اُس گائے کے ماتھے پر
لگا کر ہی چال میں گھُستے تھے۔

یعنی گائے کا آشیرواد لینے کے بجائے اُسے آشیرواد دے کر اندر آتے تھے۔
ان کی دیکھا دیکھی، باقی چال والے بھی اس کی پُوجا کرنے لگے تھے۔ رما تائی، کوئی چالیس سال ہوئے،
جب بیاہ کر آئی تھی اِس چال میں، تو اُنھیں کہا گیا تھا، پہلے گائے کو پرنام کرو، پھر ساس کو کرنا۔
اور بھگوان کی کرنی ایسی ہوئی کہ جس دِن گائے کی مورتی ٹوٹی، اُسی دِن ان کی ساس چل بسیں۔
وہ گیٹ اور مورتی پھر کِسی نے ٹھیک نہیں کروائی، تیرتھ رام چال پوری کیے بغیر ہی گذر چکے تھے۔ بس،
ایک ہی منزل بنوا پائے اور دُوسرے حصّے کا ایک اُدھورا سا کمرا، جس میں اب کپتان چاچا رہتے ہیں۔
کپتان چاچا اِس چال کی ناک بھی ہیں، اور ناک میں دَم بھی ہیں۔
زیادہ تر ان کی اپنی ہی ناک میں دَم آیا رہتا ہے - چال والوں کی بدنظمی یعنی
اِنڈسِپلین اُن سے سہا نہیں جاتا۔ لفظ 'ڈِسپلین' ان کو مِلٹیری ورثے سے مِلا ہے۔
'راجپوت رِجیمنٹ' میں تھے - 1962 کی ہند چینی جنگ میں ان کی ٹانگ پر گولی لگی تھی۔
جب سے ذرا سا لنگڑا کے چلتے ہیں۔

زیادہ نہیں تھوڑا سا - 'سا' - اور 'ڑ' کا فرق بھی نہیں ہے۔ صرف 'ر' اور 'کومل 'ڑ' کا فرق سمجھ لو۔

چال کے بچّوں کی ایک پلٹن بنا رکھی ہے چاچا نے۔

کپتان بچّوں کی زبان میں بات کرتے ہیں اور بچّے کپتان چاچا کی زبان میں۔ بچّوں کی اُن سے بنتی بھی خوب ہے!

اُن کا بس چلے تو ہر بچّے کو ہندستان کا پردھان منتری بنا دیں!

26 جنوری ابھی آئی نہیں تھی کہ دو مزدور ایک لوہے کا کھمبا لے کر آ گئے اُس چال میں۔

چال کا نام پتا پُوچھتے - "جے ہند چال یہی ہے کیا؟"

چندرا چٹائی پر پاپڑ ڈال رہی تھی۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔

"جے ہند؟ جے ہند چال کیا؟"

"اِس چال کا نام کیا ہے؟"

چندرا نے مُڑ کر دُرگا پرساد کی پتنی سُمن سے پُوچھا۔

"پتا نہیں، کہتے تو ہیں، گائے والی چال!"

رما تائی سب سے پُرانی تھیں چال میں - آگے آتے ہوئے بولیں۔

"ارے وہ تو جب بنی تھی چال، تب کی بات ہے۔ گیٹ پر گائے کی مورتی تھی۔ اس لیے۔

میں جب شادی کر کے یہاں آئی تھی، تو مُجھے گیٹ پر کہا تھا، "پہلے گائے کو پرنام کرو،

پھر ساس کو کرنا' - تیس چالیس سال ہوئے، اُدھر گائے ٹوٹی، اِدھر ساس مر گئی!"

مزدُور بے تاب ہو رہا تھا - ہاتھ جوڑ کے بولا۔ "اے بائی، نام معلوم ہے تو بتا دو۔"

"لکشمی بائی!"

"ارے بائی، تیرا نہیں۔"

"میرا نہیں ہے - میرا تو رما تائی ہے -ساس کا نام لکشمی بائی تھا۔"

مزدُور نے پھر ہاتھ جُوڑ دیے۔

"ساس کا بھی نہیں بائی، چال کا نام معلوم ہے؟"

اتنے میں سُمن کے پتی دُرگا پرساد باہر آ گئے بولے۔

''کیا ہے بھائی؟ کیا چاہیے؟''

''کھمبا لایا ہوں۔ چال کا نام نہیں معلوم - چال کا نام کیا ہے؟''

سُمن اپنے چھ مہینے کے بچّے کے پوتڑے ٹانگ رہی تھی، بیچ ہی میں بول پڑی۔

''ارے اِن سے کیا پُوچھتے ہو! چھ مہینے ہو گئے، اپنے بچّے کا نام نہیں مِلا ابھی - ایک 'ش' کو پکڑ کر بیٹھے ہیں۔''
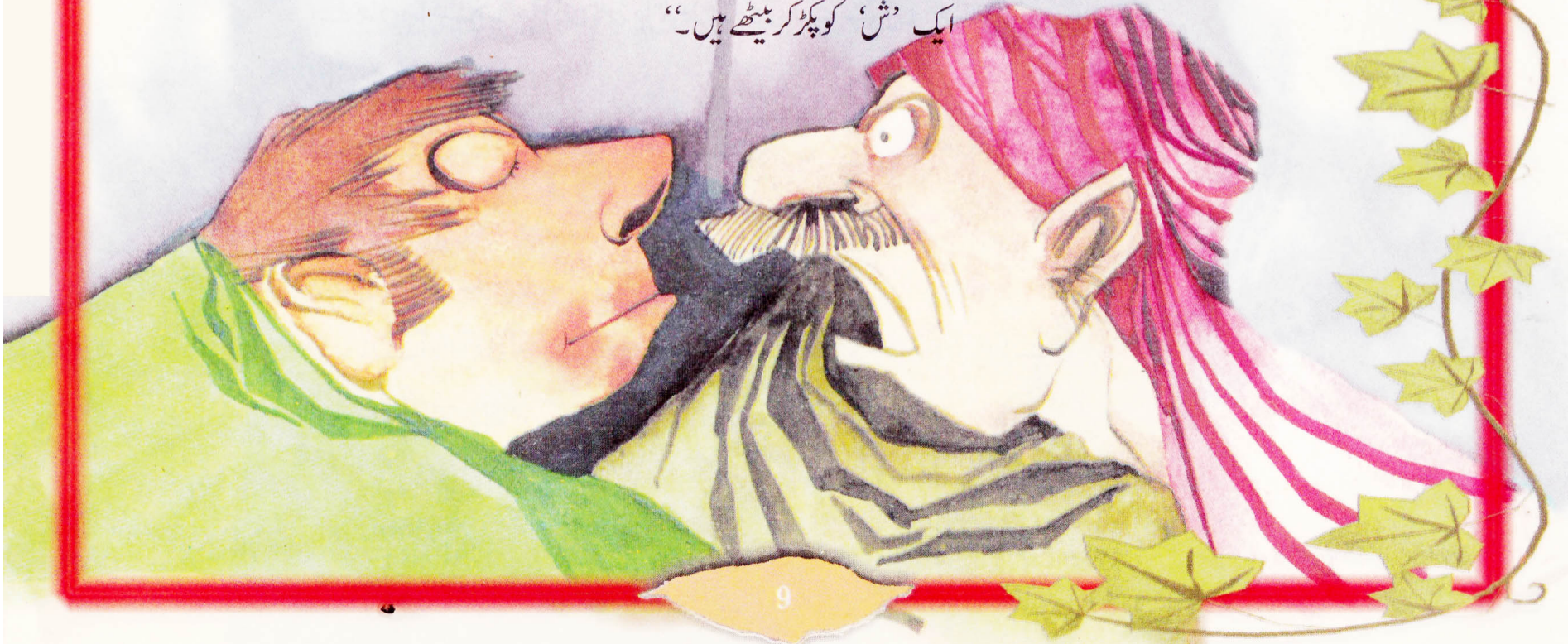
دُرگا پرساد کو یہ بے موقعہ گِلہ اچھا نہیں لگا۔

''ارے، اِس عمر میں پہلا بچّہ ہوا ہے! کُنڈلی میں 'ش' نِکلا ہے، تو 'ش' ہی سے نام رکھوں گا...... اب تم ہی بتاؤ رما تائی، 'ش' پر کوئی آسانی سے نام ملتا ہے کیا؟''

مزدُور بیچارہ بے صبری سے بولا۔

''اے بھائی صاحب، یہ کھمبا یہیں چھوڑ جاتا ہوں۔ پچھتّر روپیے بنتے ہیں - دے دو!''

رما تائی چندرا سے بولی۔

''ارے تیرے پتی نے تو نہیں منگایا؟'' اور زور سے آواز دی - ''ارے نرِندر!''

چندرا دھیمی سی آواز میں بولی۔

''وہ تو سوئے ہوں گے- رات کو دیر سے سوئے تھے۔''

دُرگا پرساد نے آواز لگائی - ''اے دس پرسنٹ! .... دس پرسنٹ شاہ! سویا ہے کیا؟''

نرِندر آنکھیں ملتا ہوا اپنے کمرے کے باہر آیا۔ ''کیا ہے؟''

''کھمبا تُو نے منگایا تھا؟''

نرِندر نے چال کے بیچوں بیچ پڑے کھمبے کو دیکھا۔ ’’کھمبا ..... ! کتِنے کا ہے بھائی؟‘‘
مزدُور بولا۔ ’’پچیس روپیہ مِل گیا - پچھتّر اور مِلنے کا ہے-رکھ دوں اِدھر؟‘‘
نرِندر بیوپاری تو تھا ہی۔ فوراً بولا۔ ’’چالیس میں رکھتا ہے تو رکھ جا !‘‘
چندرا چِڑھ گئی۔ ’’کیا کروگے ... . کھمبا کیا کرنا ہے؟‘‘
’’چالیس میں مِلتا ہے تو ٹھیک ہے - ساٹھ میں بِک جائے گا۔‘‘
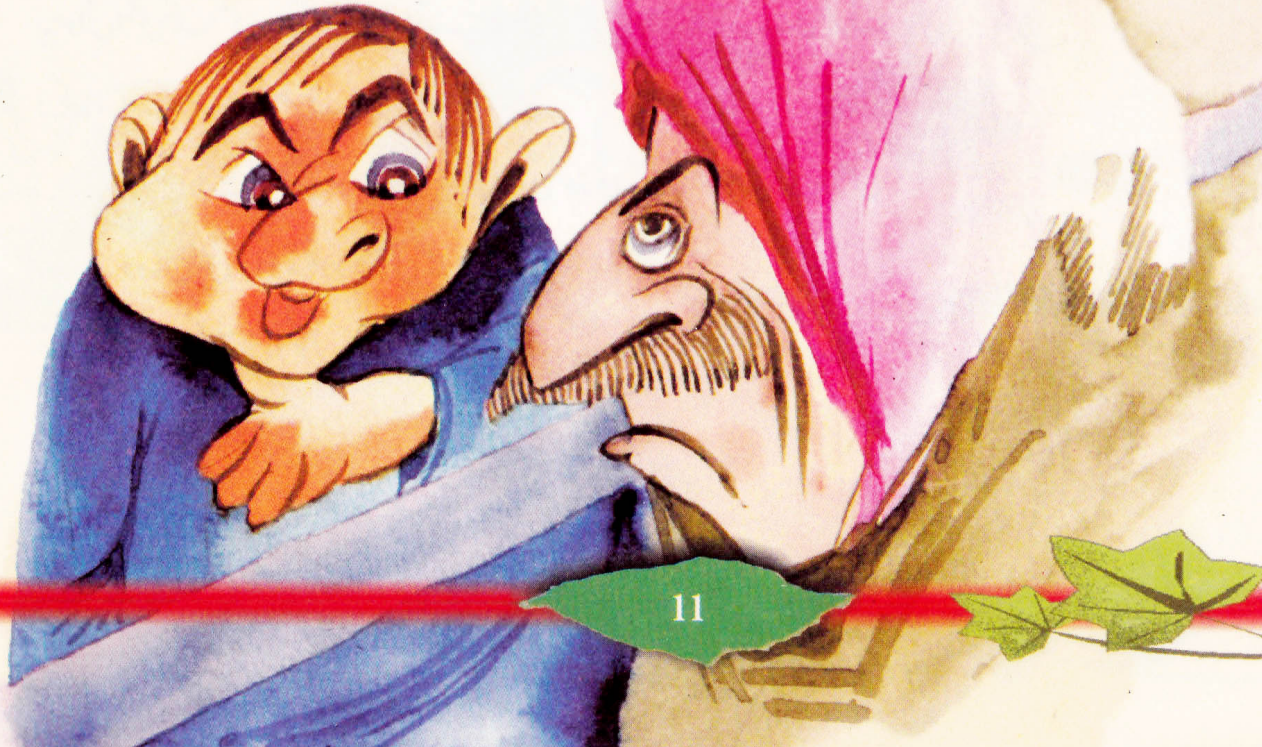
مزدُور کا جی چاہ رہا تھا، اُسی کھمبے پہ سر دے مارے، لیکن بولا بڑی منّت سے۔

"اے بھائی لوگ ! ہاتھ جوڑتا ہوں - بس، اِتنا بتا دو، یہ جے ہند چال ہے کہ نہیں ؟ نہیں تو لے جاتا ہوں واپس۔"

سُمن اپنے کام سے فارغ ہو گئی تھی، بولی۔

"لیکن منگایا کِس نے تھا؟"

یہ سوال ابھی تک کِسی نے نہیں پُوچھا تھا۔ سُنتے ہی سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور پھر مزدُور کی طرف۔

اُسی وقت میری ڈِسوزا اپنی آٹھ سالہ بیٹی سوزی کے ساتھ چال میں داخل ہوئی۔ وہ ماں بیٹی گراؤنڈ فلور پر رہتی تھیں۔

سوزی کھمبے کو دیکھتے ہی اُچھل پڑی۔

''ممّی ، پول-پول آ گیا !'' بھاگ کر سوزی کھمبے کے پاس آئی اور اُوپر کی طرف مُنہ کر کے چلاّئی۔''رگھو-رگھو، دیکھ، کھمبا آ گیا !''

رگھو کے ہاتھ میں اِڈلی تھی۔کھاتے- کھاتے باہر آ گیا۔ اُوپری منزل سے دیکھتے ہی وہ بھی چلاّیا۔

''کھمبا! آ گیا ! اے........ کھمبا آ گیا!''

نیچے کھڑے تمام لوگوں نے حیرت سے اِن دونوں بچّوں کی طرف دیکھا۔ رگھو اوپر سے چلاّ تا ہوا بھاگا۔

''کھمبا آ گیا ..... کھمبا آ گیا!''

اِمام صاحب کے دروازے پر رُک کر اُس نے آواز دی ۔ ''وحید - توحید، نیچے آؤ، کھمبا آ گیا !''

سب سے پہلے سلمہ باہر نِکلی ۔

''کیا ؟ .... تھمبا آ دیا ؟''

''ہاں .... وحید - توحید کہاں ہیں؟''

اِتنے میں وحید - توحید بھی آ گئے ۔ بچّوں کا ایک کورَس گونج اُٹھا ساری چال میں ۔

''کھمبا آ گیا........ کھمبا آ گیا !''

رحیم میاں کُچھ پریشان سے باہر نکلے ۔

''ارے بھئی، یہ کیا شور مچا رکھا ہے بچّوں نے؟''

نیچے تمام بچّے جمع ہو گئے تھے ۔ رحیم میاں نے اپنی بیوی شوکت کو آواز دی ۔

''بیگم، سُنتی ہو - یہ کیا شور مچا رکھا ہے بچّوں نے ؟''

شوکت بیگم نے پردے کے پیچھے ہی سے جواب دِیا۔ ''ہمیں نہیں معلوم ..... پان کھاؤ گے؟''
اب تک تمام بچّے نیچے جمع ہو کر، کھمبے کے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ اور جتنے
بڑے تھے، سب ہکّا-بکّا دیکھ رہے تھے اُن سب کو۔

وحید کہہ رہا تھا۔ ''بہت بڑا ہے۔''

رگھو بولا۔ ''نہیں، کوریکٹ سائز ہے۔''

سلمہ ابھی تک تو تلا رہی تھی۔ ''تھمبا آدیا....... تھمبا آدیا!''

لالیتا نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''آخر آ ہی گیا۔''

مزدُور ذرا سی ہمّت کر کے سامنے آیا اور بڑی نرمی سے بولا - ''بچّے لوگ!
اِس چال کا نام کیا ہے؟''

سوزی بولی۔ ''جے ہند چال۔ یہ ہمارے اِدھر کا ہی ہے۔''

مزدُور کے چہرے پر پھٹے انڈے کی طرح مُسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں تو پہلے ہی بول رہا تھا، یہی چال ہے۔''

رحیم میاں آگے آئے، ٹوپی ٹھیک کی، بولے۔

''لیکن منگایا کِس نے ہے؟''

چار-پانچ بچّے ایک ساتھ بول پڑے۔

''کپتان چاچا نے۔''
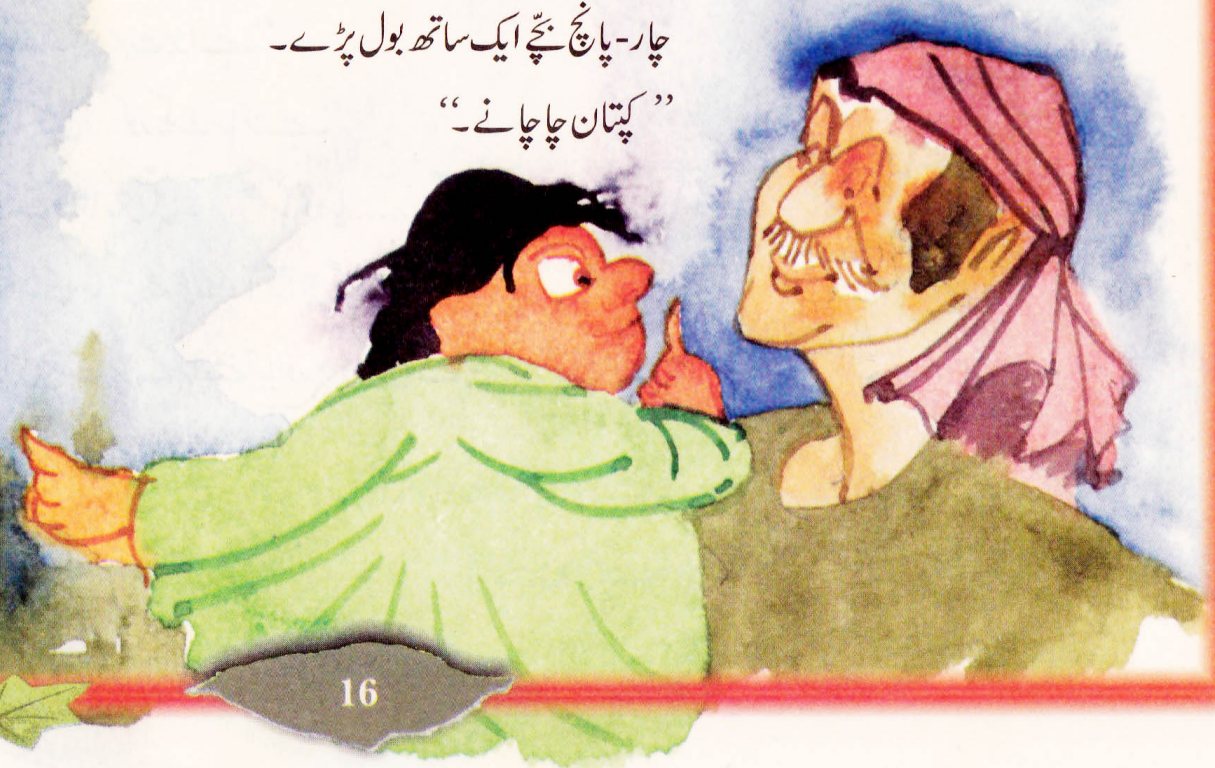
چال والوں کی تو آہ نکل گئی۔

''اوہو ! ... کپتان ؟ ... اُف ! !''

سب کی شکلوں پر صاف لِکھا نظر آیا۔

'مر گئے... پھر کوئی آفت آنے والی ہے!'

کپتان جا گیر سنگھ سے سب چڑھتے بھی تھے،

گھبراتے بھی تھے۔

کپتان چاچا بے شک لنگڑا کے چلتے ہوں، لیکن چلتے پھر بھی سپاہیوں کی طرح ہیں۔ سیدھے، اکڑو، جیسے کلف لگی ہو ! مارچنگ چال کے ساتھ چال میں داخل ہوئے - سب خاموش ہو گئے۔

سُبر مِنیم کا کہنا ہے، جب وہ چلتے ہیں تو اُسے مِلیٹری بینڈ کی آواز سُنائی دیتی ہے۔

کپتان چاچا کھمبے کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

عورتیں تو فوراً تتر بتر ہو گئیں۔ باقی لوگ مُنتظر رہے، جیسے ابھی کُچھ ہو گا۔

ہوا کُچھ بھی نہیں - کپتان چاچا نے جیب سے بٹوا نِکالا، گِن کے پچھتّر روپے نِکالے، پھر ایک اور پانچ کا نوٹ نِکالا اور مزدُور کو دیتے ہوئے بولے۔

”یہ لو - پچھتّر روپے دینے تھے - رسید لائے ہو ؟“

”جی ہاں۔“

رسید لے کر کپتان چاچا نے پانچ روپے اور تھما دیے اُنھیں۔
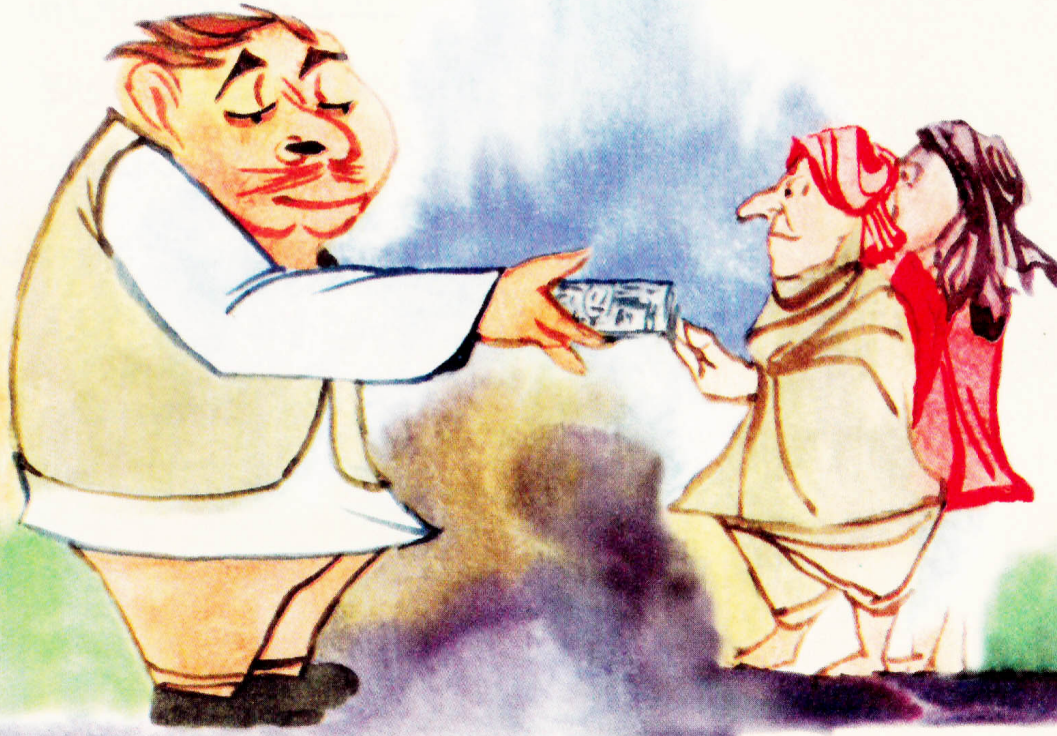
''اور یہ تُم دونوں کے لیے!''

دونوں مزدُور سلام کر کے لَوٹ گئے۔

کپتان چاچا چال کے آنگن میں کھڑے لوگوں سے مُخاطب ہوئے۔

''دیکھیے صاحبان! میں نے کُچھ مِلا کے ایک سو پانچ روپے خرچ کیے ہیں۔ہم سب مِل کر سات پریوار ہیں اِس چال میں یعنی ہر ایک کا حصّہ پندرہ روپے آتا ہے۔''

نرِندر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا، جیسے چاچا کاٹ کھائیں گے۔

''پندرہ روپے! کیوں؟''

سُبرِمنیم ذرا سا آگے آیا۔

''کیپٹن! یہ پول کیوں لائے ہو ؟''

اب دُرگا پرساد نے بھی ہمّت کی۔

”یہ بھی کوئی بچّوں کا کھیل ہے کیا؟ ایک سو پانچ روپیے؟“
رحیم میاں نے ہاں میں ہاں ملائی
”ہاں، دیکھیے تو!“

کپتان نے ایک بار گھُور کر دیکھا سب کی طرف - لوگ کُچھ چُپ سے ہو گئے۔

عورتیں ذرا پرے کھڑی تھیں۔ کُچھ دروازے پر، کُچھ دروازے کے باہر۔ سب سوچ رہی تھیں، آج پھر سے چِلاّ چلّی ہو گی!

کپتان مُسکُرائے۔ بولے :

"آپ میں سے کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اِس کھمبے، کا کیا کِیا جائے گا؟"

دُرگا پرساد نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "میں بتاتا ہوں..."

"بولو..."

"زمین میں گاڑا جائے گا اور سیدھا کھڑا کِیا جائے گا۔"

سب کے سب تالی بجا کر ہنس پڑے۔

"واہ، کیا جواب دِیا ہے!"

’’واہ، بہت ہوشیار نِکلے!‘‘ کپتان چاچا بچّوں کی طرف دیکھ کر بولے۔ ’’کافی عقل مند لگتے ہیں۔‘‘

سُبرِ مَنیم نے اندازہ لگایا۔ ’’اِس پر لائٹ لٹکاؤ گے؟‘‘

’’واہ - وا..... ! یعنی اندھیرا آپ کو بھی محسوس ہو رہا ہے؟‘‘

نرِندر نے پُوچھا۔ ’’کیپٹن! جو کوریکٹ جواب دے گا، اُسے کیا پرائز مِلے گا؟‘‘

''پرائز؟ جو صحیح جواب دے گا، اُسے کیپٹن جاگیر سنگھ - رٹائرڈ انڈین آرمی کیپٹن - راجستھان رائفل - خاص سیوا میڈل - چائنیز وار - سے سیلوٹ مِلے گا۔''

''بس ؟ اِتنا سوچیں گے، اُس پر پندرہ روپے معاف نہیں ہوں گے تو کیا فائدہ ؟''

کپتان چاچا کی بھویں تن گئیں، ناراض ہو کر بولے۔

''یہی .... یہی بات ہے .... گولی کھانے کا کِتنا روپیہ لوگے، بولو ؟''

''کون سی گولی -مِکسافرم یا اناسِن؟''

کپتان نے پائنچا اُٹھا کر پنڈلی پر لگی بندوق کی گولی کا نشان دکھایا۔

''یہ گولی..... یہ گولی ..... اِس گولی کا نہ ہم نے اُس وقت دام لِیا تھا، نہ آج کی پینشن کا حساب کِیا تھا۔ اور تُم ایسے ..... اِس طرح.... اِس دیش سیوَک کے سیلوٹ کو معمولی بات سمجھتے ہو ....؟''

بچّے گولی کا نشان دیکھنے کے لیے چاچا کے پاس آ گئے تھے۔ چھوٹی سلمہ اُنگلی سے چھُوتے ہوئے بولی - ''بہاڈول چاچا !''

چاچا کا غُصّہ غائب ہوگیا۔

''کوریکٹ! ایسے بہادُر سولجر کے سیلوٹ کی قیمت لگاتے ہو؟''

رحیم میاں نے نرمی سے کہا۔

''ارے کیپٹن ! تمھارا پارہ بہت جلدی اُوپر چڑھ جاتا ہے۔ کِس لیے لائے ہو یہ کھمبا ؟ بتادو نا !''

''بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں.... پہلے تُم لوگ یہ بتاؤ - چھبّیس جنوری کو کیا تاریخ ہوتی ہے ؟''

ایک منٹ لگا لوگوں کو سمجھنے میں، پھر ایکدم سب ہنس پڑے۔

دُرگا پرساد بولے۔

''واہ کیپٹن چاچا ! بالکُل آرمی کا سوال ہے - چھبّیس جنوری کو چھبّیس تاریخ ہوتی ہے، اور کیا ہوگی ؟''

''کیا ہوتا ہے چھبّیس جنوری کو ؟''

پٹاک سے نرِندر بولا - '' چھٹّی ہوتی ہے۔''

کپتان نے مُڑ کے دیکھا۔

''ارے واہ، تُم تو بہت ہوشیار ہو! کیوں چھٹّی ہوتی ہے، بھلا ؟''

رحیم میاں نے بتایا - ''لال قلعہ پر ترنگا لہرایا جاتا ہے۔''

سُبرمِنیم کو جیسے ایکدم سمجھ آ گئی، چونک کر بولا۔

''ارے سمجھا، اِس پول پر ترنگا لہرایا جائے گا!''

بچّوں نے تالیاں بجا کر داد دی سُبرمِنیم کو۔ اُنھیں پہلے سے معلوم تھا۔ کپتان چاچا کے رازدار جو تھے !

کپتان چاچا نے آگے بڑھ کے تھپکی دی۔

''ویری گڈ! دس مارکس میں دس۔ اب بتاؤ، اُس دِن جھنڈا کیوں لہرایا جاتا ہے؟''

نِرندر کیوں پیچھے رہتا۔

''اُس دِن انڈیا آزاد ہُوا تھا۔''

دو چار بچّوں کی ہنسی نِکل گئی۔

کپتان بولے۔

''بہت اچھے ! اور پندرہ اگست کو کیا ہوا تھا نِرندر ؟''

''اُس دِن آزادی مِلی تھی.... نہیں..... نہیں..... ٹھہرو، بتاتا ہوں....ہاں.... پندرہ اگست اِز انڈیپنڈنس ڈے اور چھبّیس جنوری اِز رِیپبلک ڈے ..... یس ! کریکٹ - چلو، کیلنڈر میں دکھا سکتا ہوں۔''

وحید کے چھوٹے بھائی توحید نے پُوچھا۔

''رِیپبلک ڈے کیا ہوتا ہے؟''

کھڑے کھڑے دو ٹولیاں بن گئیں۔ بچّے ایک طرف تھے اور بڑے ایک طرف۔ عورتیں پیچھے کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھیں اور کپتان چاچا بچّوں اور بڑوں کے بیچ میں ریفری بنے کھڑے تھے، بولے۔

"لیس - بولیے؟ جواب دیجیے....! بچّوں نے سوال کِیا ہے آپ سے!"

بڑے کچھ جھینپنے لگے۔ دُرگا پرساد نے ہمّت کی۔

"رِپبلک ڈے .... رِپبلک ڈے ہوتا ہے....

ہندی میں گن تنتر دِیوس کہتے ہیں۔"

سُبرمنیم نے تائید کی۔

''یس.... یس.... کوریکٹ۔ گرِٹنگ ٹیلیگرام نمبر اُنّیس میں باس کو ہر سال بھیجتا ہوں۔''

"He is a patriot" (ہی اِزاے پِٹریاٹ) - وہ ایک دِیش بھگت ہیں۔

''کیوں، رحیم صاحب! وحید تو حیدیا سلمہ سے کہوں بتانے کے لیے؟ کیوں، مِسز ڈسوزا ! سوزی سے جواب پُوچھوں ؟''

''اُس روز ہم کو بتایا تھا سوزی نے - لیکن اپنے سمجھ میں نہیں آیا، کیا بولتی ہے !''

''ہاں، بِنارِ پبلک کے اگر زندگی چلتی ہے، تو کیا ضرورت ہے یہ جاننے کی کہ رِ پبلک ڈے کس بُلٹ کا نام ہے۔ بولو بچّو ! بتادوں !''
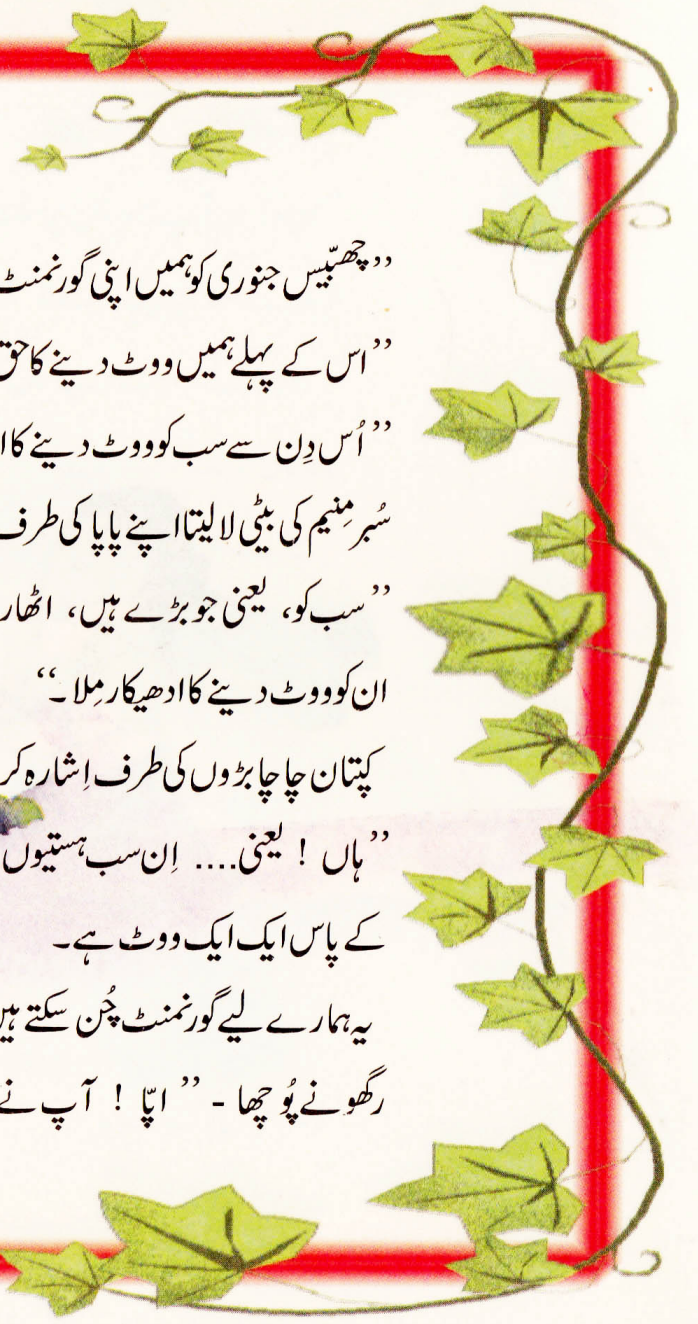
''چھبّیس جنوری کو ہمیں اپنی گورنمنٹ خود بنانے کا ادھیکار مِلا تھا۔'' سوزی بولی۔

''اس کے پہلے ہمیں ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔'' توحید نے آگے بتایا۔

''اُس دِن سے سب کو ووٹ دینے کا ادھیکار مِلا۔'' وحید نے بتایا۔

سُبرمنیم کی بیٹی لالیتا اپنے پاپا کی طرف دیکھ کر بولی :

''سب کو، یعنی جو بڑے ہیں، اٹھارہ سال سے اُوپر.....

ان کو ووٹ دینے کا ادھیکار مِلا۔''

کپتان چاچا بڑوں کی طرف اِشارہ کر کے بولے۔

''ہاں ! یعنی.... اِن سب ہستیوں

کے پاس ایک ایک ووٹ ہے۔

یہ ہمارے لیے گورنمنٹ چُن سکتے ہیں۔''

رگھو نے پُوچھا - '' اپّا ! آپ نے ووٹ دِیا تھا ؟''

سُبرِ منیم کُچھ شرمندہ۔ سا ہوا - ''میں .... میں اُس دِن بیمار تھا !''

لیکن اُس کی بیوی وسنتا سامنے آ گئی؛ بولی - ''ارے بیمار نہیں تھے - اِلیکشن کے دِن چھُٹی تھی ۔ہم لوگ جھاماسی کے گھر کھانا کھانے گئے تھے۔''

''او - ہو.... کھانا کھانے گئے تھے!''

سوزی نے اپنی ممّی سے پُوچھا۔

''ممّی !''

''مُجھے کارڈ ہی نہیں آیا تھا۔''

کپتان تھے نہ بیچ میں، ایسے کیسے
نِکل جانے دیتے!

بولے___

''کارڈ کا پتا کروایا تھا جا کے؟''

''اِتنے ٹائم کِدھر ہے ہمارے پاس !''

''اوہو! اور آپ مِسز ٹین پرسنٹ شاہ؟''

نرِندر نے مُنڈی نیچے کر کے 'نا' میں سر ہلا دِیا۔

''کوریکٹ ! ووٹ دینے میں کمیشن نہیں مِلتا، تو کیوں دیں گے ووٹ؟ ہے نا ؟''

رما تائی بڑے فخر سے بولی۔

''میرے جَجمان گئے تھے ووٹ دینے۔ اُنگلی پر ٹکّا مار کر آئے تھے۔''

''اور آپ؟''

''میں کِدھر جاتی.... اُدھر بھیڑ میں؟ گورنمنٹ کا کام مرد لوگ کرتے ہیں۔''

رحیم میاں چُپکے سے کِھسک رہے تھے۔ لالیتا نے دیکھ لیا۔

''کیپٹن چاچا، دیکھیے، رحیم چاچا چُپ چاپ جا رہے ہیں.... اُنھوں نے بھی ووٹ نہیں دِیا ہوگا۔''

رحیم میاں رُک گئے۔

''واہ .... واہ .... رحیم صاحب، ووٹ نہیں دیتے لیکن گورنمنٹ کی شِکایت ضرور کرتے ہیں آپ ! سب کے گھر میں دِیا ہے، جلاتا کوئی نہیں اور اندھیرے کی شِکایت سب کرتے ہیں....''

بڑے سب کے سب شرمندہ ہو رہے تھے اور بچّوں کی باچھیں کِھل رہی تھیں۔

کپتان نے اعلان کر دیا۔

''یہ پول یہاں لگے گا۔ آپ سب اِس کا پندرہ روپیہ دیں گے اور اِس پر جھنڈا لہرائے گا۔''

کِسی کی ہمّت نہیں ہوئی کہ اِس حالت میں اِنکار کرے۔ کپتان نے ایک اور وار کیا۔

''کون سا جھنڈا لہرایا جائے گا، یہ تو جانتے ہیں آپ لوگ کہ نہیں؟''

دبی سی آواز میں ایک بولا۔

''ترنگا !''

''کون - سا ترنگا ؟ ترنگے جھنڈے تو بہت سے دیشوں کے ہیں۔''

''ہمارے دیش کا ترنگا۔''

''کون سے تین رنگ ہیں اُس میں؟''

جانتے سب تھے، لیکن ایک دُوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ کہیں پھر غلطی نہ ہو جائے! اب عورتیں بھی شامل ہو چُکی تھیں۔ سُمن بولی:
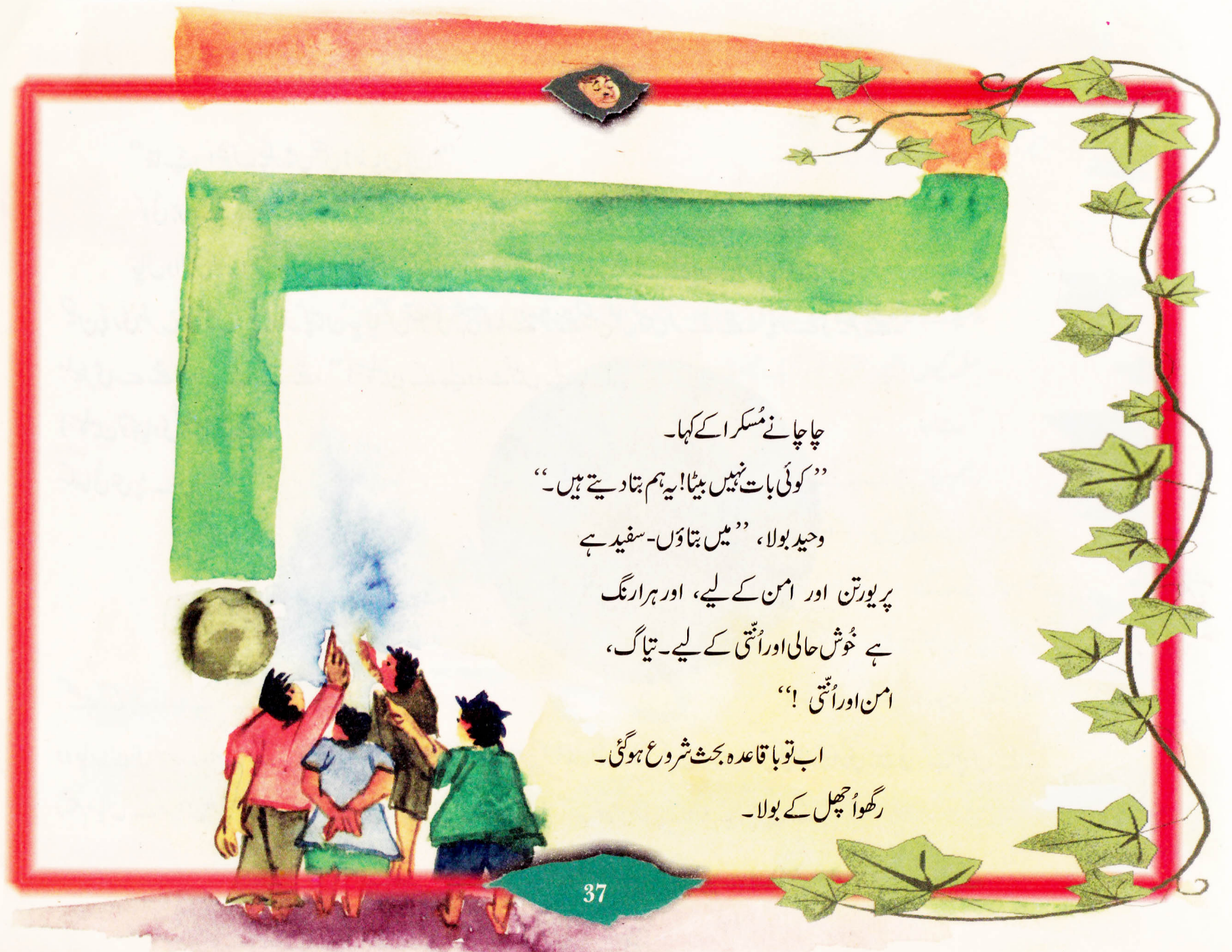
''کیسری، سفید، ہرا - اور بیچ میں اشوک چکر ہے۔''

''گُڈ ! تو اب اِن رنگوں کا مطلب بھی بتا دو ذرا۔''

اب واقعی مُشکل ہو گئی۔ یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اِن رنگوں کا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ رنگ ہیں، تو بس ہیں۔ چندرا نے بڑی ایمانداری سے پُوچھا۔

''کپتان چاچا ! رنگوں کا مطلب بھی ہوتا ہے؟''

”کیوں نہیں ہوتا - ورنہ تو کوئی بھی تین رنگ ہو سکتے تھے؛
لیکن یہ رنگ سوچ سمجھ کر چُنے گئے تھے؛ جیسے- کیسری رنگ
ہے قُربانی اور تیاگ کا اور سفید.....“
سلمہ نے چاچا کو پتلون سے پکڑ کے کھینچا،
”آپ کیوں بتا لئے ہو، اُن چھے پُوچھونا !“

چاچا نے مُسکرا کے کہا۔
''کوئی بات نہیں بیٹا! یہ ہم بتا دیتے ہیں۔''
وحید بولا، ''میں بتاؤں۔ سفید ہے
پریورتن اور امن کے لیے، اور ہرا رنگ
ہے خُوش حالی اور اُنّتی کے لیے۔ تیاگ،
امن اور اُنّتی!''
اب تو باقاعدہ بحث شروع ہوگئی۔
رگھو اُچھل کے بولا۔

''بتائیے، اشوک چکر میں کتنی ڈنڈیاں ہیں؟''

کوئی جواب نہ دے پایا۔ رگھو کو خود بتانا پڑا - ''چوبیس۔''

چال والوں کو بڑا فخر محسوس ہوا اپنے بچّوں پر اور ساتھ ہی کپتان چاچا کی طرف سے اُن کی رنجش بھی کم ہوگئی۔

لیکن پُوری طرح گئی نہیں؛ کیونکہ کپتان چاچا گن تنتر کی نیتی کو مانتے تو تھے لیکن عمل نہیں کرتے تھے۔ پُورے ڈِکٹیٹر تھے۔

مِلیٹری سے تھے نا، اس لیے کہتے تھے، ''ڈِسپلین کے لیے ووٹ نہیں لیے جاتے۔

ڈِسپلین تو بُنیادی تعلیم ہے۔

سِکھانی ہی پڑے گی!''
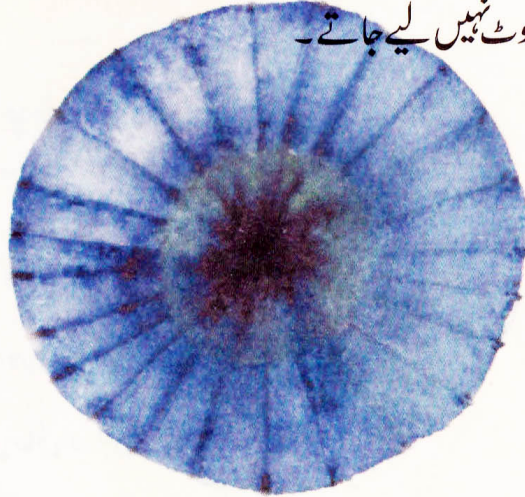
کھمبے کے پندرہ روپیے سب نے دے دیے۔

دو چار دِن ہی گُزرے ہوں گے کہ کپتان چاچا نے بچّوں کے ساتھ مِل کر ایک اور سازش کر لی - اور اِس کی ذمہ داری لے لی سب بچّوں نے۔

رحیم میاں کے گھر اِس طرح کی بات چیت سُنائی دے رہی تھی - ''ابّا ! آپ کو دس روپیے اور دینے پڑیں گے۔''

رحیم میاں نے مُنہ سے حقّے کی نلی ہٹائی۔

''کِس بات کے دس روپے؟''

''جھنڈے کے۔''

وحید کے ساتھ ساتھ توحید نے بھی زور ڈالا۔ ''ہاں ابّا! سب گھروں پر ترنگا جھنڈا لگے گا۔''

سلمہ کیوں پیچھے رہتی، فوراً ایک چھوٹا سا پیکٹ سامنے رکھ دیا۔

''جے لہا.... ابّا!''

رحیم میاں چونک پڑے - ''یہ کون لایا؟''

شوکت بیگم نے صفائی دی - ''ارے کیپٹن نے سب گھروں میں بانٹے ہیں۔''

رحیم میاں چڑھ گئے - ''بھئی، یہ تو بڑی زیادتی ہے اِس کپتان کی۔ خوامخواہ کوئی نہ کوئی خرچہ سر پہ ڈالتا رہتا ہے۔ کم سے کم پُوچھنا تو چاہیے، ہمیں ضرورت بھی ہے کہ نہیں!''
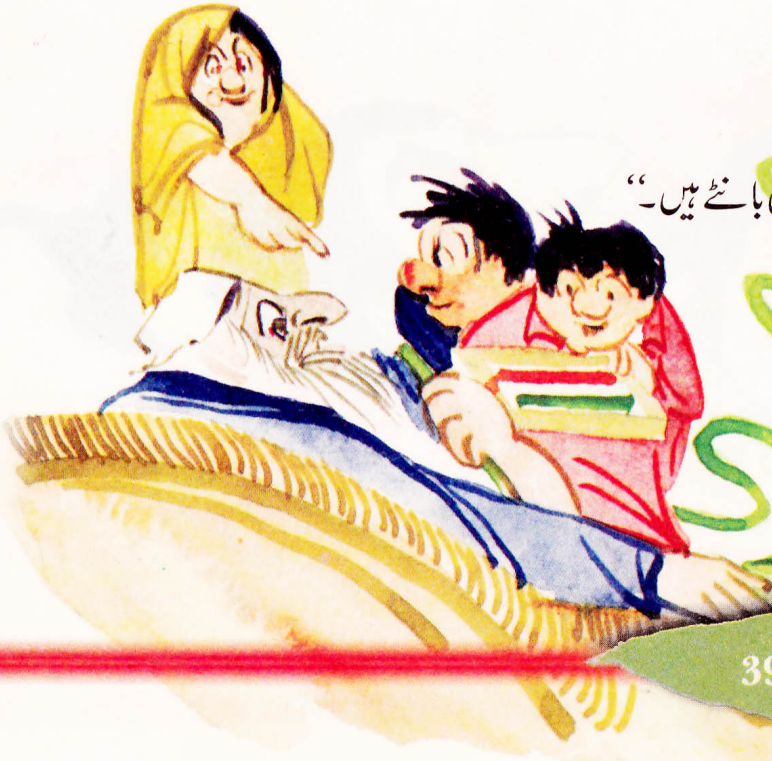
توحید بولا: ''ابّا، ضروری ہے!''

''تُم چُپ رہو۔''

سُبرِمنیم کے گھر میں کُچھ اِس طرح کی بات چل رہی تھی - سُبرِمنیم بیوی سے کہہ رہا تھا- ''مہینے کا بجٹ تو بنا دِیا تُم نے - اب اِس کا کیا کرنا ہے ؟ دس روپے جھنڈا،.......

اُس دِن پول کے پندرہ روپے دِیے تھے اور اب.......
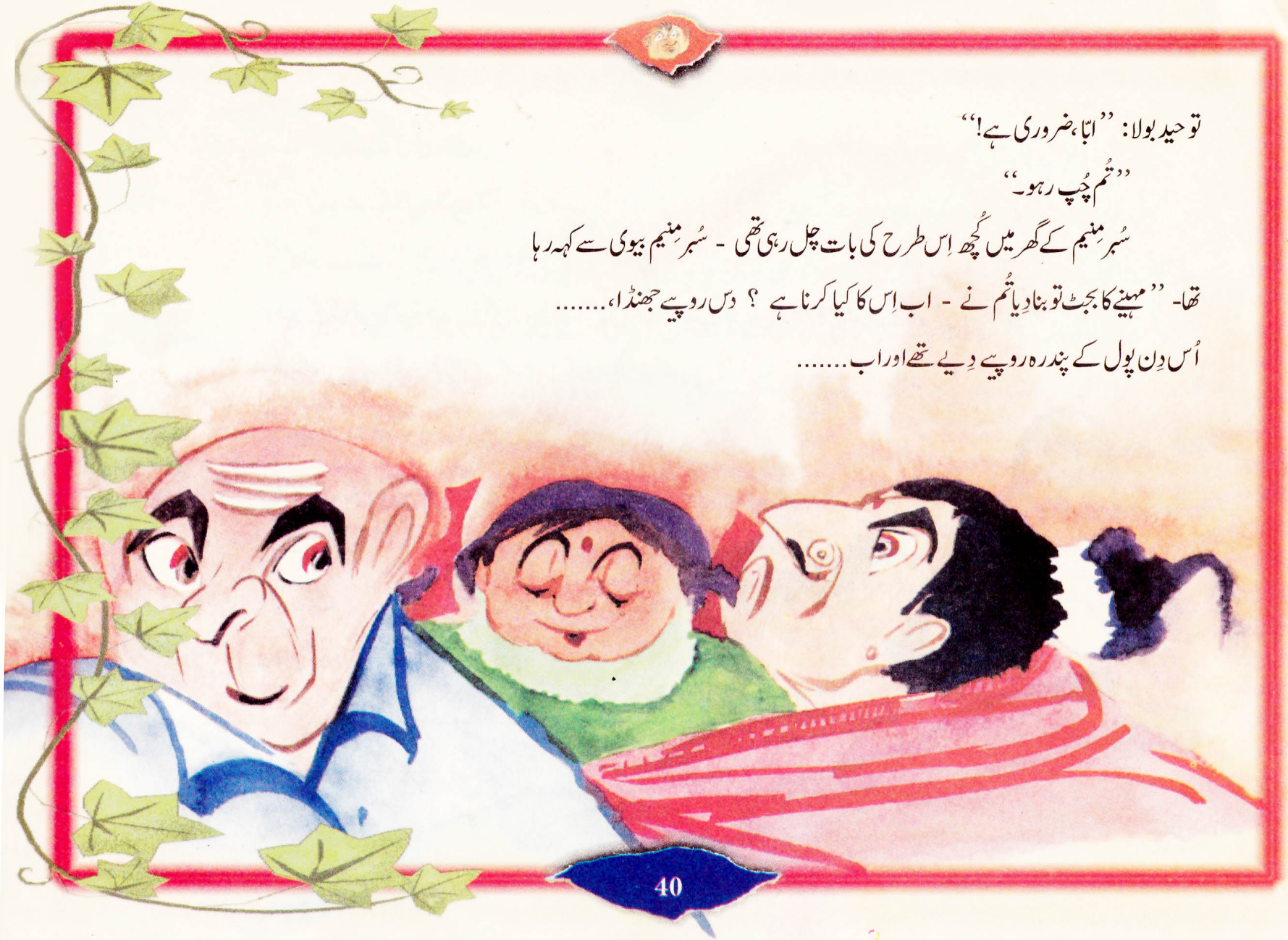
''کیسے چلے گا؟ وہ تو تُم سے بھی کڑک ماسٹر ہے! دینے ہی پڑیں گے۔ پچیس روپے مہینے کے - سال میں کتنا ہوگا۔''

لالیتا بیچ میں بولی: ''ہر مہینے تھوڑے ہی دینے ہیں اپّا ؟''

''لیکن اِس مہینے کے بجٹ کا کیا ہوگا ؟''

رگھو نے اپنا سُجھا وَدِیا، ''ٹھیک ہے - اِس مہینے ہم دونوں پکچر نہیں دیکھیں گے۔ آپ بھی مت دیکھنا۔''

ماں باپ نے دونوں بچّوں کی طرف دیکھا۔ دونوں مُسکرا رہے تھے۔

دُرگا پرساد کے گھر میں کُچھ زیادہ ہی گرمی تھی۔ دُرگا پرساد طیش میں بول رہے تھے۔ ''یہ جاگیر سنگھ نہیں، مُصیبت سنگھ ہے۔ جب سے یہاں رہنے آیا ہے، سب کی گُدی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں تو کہتا ہوں، یہ ہمارے چال کا کیپٹن گبّر سنگھ ہے۔''

سُمن کی شِکایت کُچھ اور ہی تھی - ''اُسے روز نئے نئے نام دیتے ہو۔ اور اپنے بیٹے کا ایک نام نہیں سُوجھتا۔''

'' 'ش' سے نہیں نِکلتا نا ! شبّر سنگھ تو نہیں رکھ سکتا !''

مِسّز ڈِسوزا ٹیبل صاف کر رہی تھی، اور سوزی
بار بار جھنڈا لے کر اُن کے سامنے آ رہی تھی۔

''ممّی ! دیکھو تو سہی، یہ ہے اپنے گھر کے لیے فِلیگ۔''

''اوہو سوزی ! اِتنی سی عمر میں کیوں پالیٹِکس
میں پڑتی ہو تُم ؟''

''یہ پالیٹِکس نہیں ہے ممّی - جھنڈا ہے،
ہمارے دیش کا
جھنڈا ہے۔''

بھالچندر باہر جانے کے لیے کپڑے پہن رہے تھے اور رما تائی پُوریاں رکھنے کے لیے کوئی کاغذ، کپڑا ڈھونڈ رہی تھی۔ بھالچندر بے چین تھے ۔ ''جلدی کرو۔ باندھ کر دینا ۔ انیل بارہ بجے نِکل جائے گا۔''

''کِس میں باندھوں؟ برتن کوئی خالی نہیں ہے۔''

''کِسی کپڑے میں باندھ دو۔''

''تمھاری پُرانی دھوتی بھی تو نہیں ہے۔''

''کوئی پُرانی ساڑی تو ہوگی !''

اچانک رما تائی کی نظر جھنڈے والے پیکِٹ پر پڑی۔

''اِس میں باندھ دیتی ہوں !''

پارسل کھول کر رما تائی نے پُوریاں جھنڈے والے کپڑے میں باندھ دیں۔ بھالچندر مُسکرا کے بولے۔

''چلو... یہی کام آ گیا ۔دس روپیے تو دیے ہی ہیں۔''

بھالچند رجھنڈے کی پوٹلی لے کر گھر سے نِکل رہے تھے کہ سوزی نے
دیکھ لِیا- وہ بھاگی کپتان چاچا کے کمرے طرف۔ کپتان چاچا سُنتے ہی کُرسی سے کھڑے ہو گئے۔
بھالچند رپوٹلی میں پُوریاں لے کر نکل ہی رہا تھا کہ کپتان چاچا نے گیٹ پر
پکڑ لِیا- ''یہ کیا ہے؟''
''پُوریاں ہیں- میرے پوتوں کے لیے۔ بورِیولی
جا رہا ہوں اپنے بیٹے انیل کے گھر۔
تمھیں چاہییں تو اُوپر چلے جاؤ -
رما نے ابھی-ابھی.....''
کپتان بات کاٹ کر بولے-
''مال کیا ہے نہیں پُوچھ رہا، رُمال کیا ہے؟''
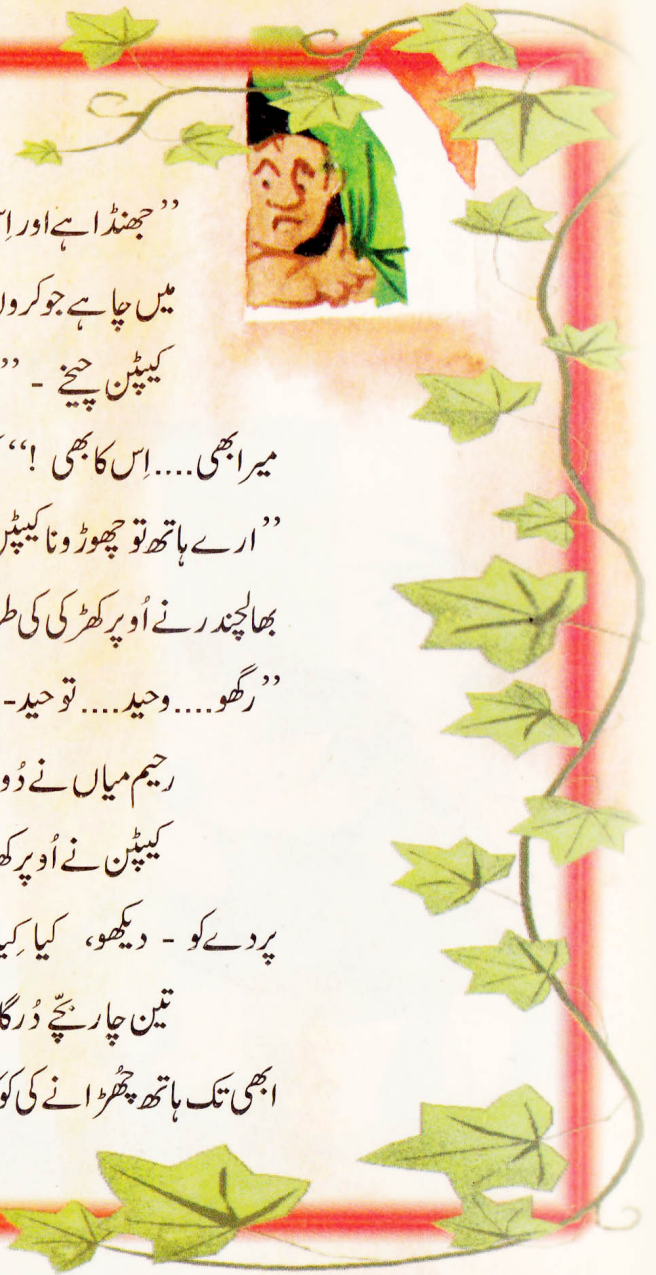
''جھنڈا ہے اور اس کے پیسے تُم کو دے چُکا ہوں۔
میں چاہے جو کروں اس کا، یہ میرا ہے۔''
کیپٹن چیخے - ''تمھارا ہے صرف کپڑا تمھارا ہے۔ جھنڈا ہم سب کا ہے۔
میرا بھی.... اِس کا بھی !'' کپتان نے سوزی کی طرف اِشارہ کیا۔ کپتان نے ابھی تک اُس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔
''ارے ہاتھ تو چھوڑو نا کیپٹن۔ اُس کو دیکھو، دُرگا پرساد کو اُس نے تو کھڑکی کا پردہ بنا دِیا ہے۔''
بھالچندر نے اُوپر کھڑکی کی طرف اِشارہ کِیا۔ کپتان نے فوراً بچّوں کو آواز لگائی۔
''رگھو.... وحید.... توحید۔ !'' بچّے تو بھاگتے ہُوئے آئے ہی، ساتھ ساتھ ان کے ماں باپ بھی دروازوں پر آ گئے۔
رحیم میاں نے دُور سے پُوچھا۔ ''اب کیا ہوا کیپٹن؟''
کیپٹن نے اُوپر کھڑکی کی طرف اِشارہ کِیا۔ ''نِکالو اُس
پردے کو - دیکھو، کیا کِیا ہے جھنڈے کا !''
تین چار بچّے دُرگا پرساد کے گھر کی طرف بھاگے - بھالچندر
ابھی تک ہاتھ چھُڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چھوڑو نا کیپٹن ! کیوں جھگڑا مول لیتے ہو سب سے ؟ کِس
کِس سے لڑو گے ؟''

دُرگا پرساد نے پردہ اندر سے ٹانگ رکھا تھا۔ جیسے ہی رگھو نے کھڑکی پہ چڑھ کے ہاتھ ڈالنا چاہا۔

دُرگا پرساد باہر نکل آیا۔ ''ہاتھ مت لگاؤ اُسے ! نیچے اُترو ....''

رگھو نے شِکایت کی - ''انکل، آپ
دیش کا اپمان کر رہے ہیں۔''

توحید بولا - ''آپ کو یہ نِکالنا پڑے گا۔''

لالیتا نے زور دیا۔

''ابھی کے ابھی۔''

''نہیں نِکالوں گا - کِیا کر لو گے۔''

وحید نے مُڑ کے شِکایت کی۔ ''کیپٹن چاچا،
انکل نہیں مانتے !''

دُرگا پرساد کیپٹن پر برس پڑا - ''ارے اے گبّر ! اپنی مُصیبت
اپنے تک رکھنا۔ دُوسروں کو کیوں پریشان کرتا ہے؟''

بھالچندر نے نیچے سے شِکایت کی - ''اِس آدمی نے تو ساری چال کا ناک میں دم کر رکھا ہے !''

دُرگا پرساد اُوپر سے بول رہے تھے - ''ارے پیسے نہیں مِلے اِس کے ؟ اِتنی تکلیف ہو رہی ہے تو
پیسے واپس دے دو اور واپس لے جاؤ اپنا پردہ !''

کپتان چاچا کو غُصّہ آ گیا - ''جھنڈے کو پردہ مت کہو''

رحیم میاں بولے - ''ارے ٹھیک ہے نا کیپٹن ! ابھی کُچھ وقت ہے۔ چھبّیس جنوری آئے گی تو
نِکال کر جھنڈا بنا دے گا۔''

اب نرِندر بھی باہر آچُکا تھا۔ بولا

''اُس نے پیسے دیے ہیں نا ؟ دس روپے مُفت میں نہیں آئیں۔ کمانے پڑتے ہیں۔ تمھارا کیا ہے۔
تمھیں تو گھر بیٹھے پینشن مِل جاتی ہے۔''

چھوٹی لالیتا کو یہ بات بُری لگی - ''پینشن بھی فوکٹ میں نہیں مِلتی انکل!''

سوزی بولی - ''چائنا وار میں گولی کھائی تھی
کیپٹن چاچا نے۔''

سُبرِمنیم اب تک چُپ چاپ تھا۔ بولا -
''تو اِسے بھی کوئی آرمی کیمپ سمجھا ہے کیا؟
آرڈر چلاتا رہتا ہے.....!''

''وہی تو - ترس آگیا، اِس لیے دس روپے
دیے، نہیں تو ہمیں کیا ضرورت تھی جھنڈے کی ؟''

''نہیں تو پیسے واپس کردو سب کے، اور لے جاؤ سب جھنڈے !''

''تُم سب کو لے جاؤں گا حوالات میں..... دیش کے غدّار، گرفتار کرواؤں گا!''

''ارے جا نا- کون سا جنرل تھا آرمی میں ! ایک معمولی کیپٹن ہی تو تھا !''

کپتان چاچا کی خُودداری پر چوٹ لگی۔ چلّا کر بولے: ''رگھو.... وحید.... توحید! پولیس کو لے آؤ- جلدی !''

رگھو کی ماں نے منع کِیا - ''خبردار.... گیا تو......''

''توحید، وحید ! واپس آؤ.....''

پر بچّے تو جا چُکے تھے۔ ماں باپ تو ماں باپ تھے

لیکن کپتان چاچا کی پُکار تو اُن کے لیے ہمیشہ دیش کی پُکار تھی۔

''مت روکو بچّوں کو - خُود تو غلط راستے پر جا رہے ہو، انھیں کیوں روکتے ہو صحیح کام کرنے سے؟''

دیکھتے دیکھتے بچّے ایک حولدار کو پکڑ کر لے آئے۔

کپتان چاچا نے بھالچندر کا ہاتھ اُس حولدار کی طرف بڑھاتے
ہوئے کہا - ''لو، گرفتار کرلو اِسے !''
حولدار نے چاروں طرف دیکھا - بچّوں کو دیکھا - پھر کپتان چاچا کی طرف دیکھا - دھیرج سے
بولا - '' کیوں بھائی.... کیا کِیا ہے اِس نے؟''
''اِس کے ہاتھ میں دیکھو، کیا ہے؟''
''کیا ہے؟ .... کوئی چوری کا مال ہے ؟''
''پُوریاں ہیں -پُوریاں !''
بھالچندر نے صفائی دی۔
حولدار نے پوٹلی ہاتھ میں لی
اور کھول کر تصدیق کی۔
''یہ تو گرم ہیں ابھی ! تازہ بنی ہیں - کِس نے بنائیں؟''
''میری پتنی نے۔''
''میری ماں بھی بنایا کرتی تھی۔''

کپتان چاچا کا غُصّہ بڑھ رہا تھا - ''وہ نہیں - یہ دیکھو، پُوریاں بندھی کس چیز میں ہیں۔''

حولدار نے پُوریاں پھر لپیٹ دیں۔

کپتان نے اُوپر کی طرف اِشارہ کیا- ''اور اُدھر دیکھو۔''

''کدھر''

''اُوپر! وہ..... کھڑکی پر!''

دُرگا پرساد نے خُود ہی اِشارہ کر کے پردہ دکھا دیا-

''اِدھر حولدار! اِدھر..... اِس کو دیکھیے۔''

حولدار کو کُچھ سمجھ نہیں آیا-

''اچھا، تو پردہ بھی چوری کا ہے کیا؟''

کپتان چاچا زور سے چِلاّئے- ''حولدار!''

عادتاً حولدار اٹینشن میں کھڑا ہو گیا- ''یس سر!''

''اندھے ہو گیا؟ دیکھتے نہیں- دیش کے جھنڈے کا اُس نے پردہ بنا رکھا ہے!..... اِس نے پوٹلی بنا رکھی ہے! یہ اپمان ہے جھنڈے کا- گرفتار کرو اِنھیں!''

بات اب حولدار کی سمجھ میں آئی - ''ارے تو یہ بات تھی ! بے کار کا ٹائم خراب کیا ! میں سمجھا، کوئی ڈاکہ پڑ گیا ......چوری ہوگئی .... کسی نے بہو کو جلا دِیا ... سمجھے نا، کیا کہہ رہا ہوں؟ یہاں تو کُچھ بھی نہیں ہوا!''

''کُچھ بھی نہیں ہوا .....؟ اِتنی بڑی غدّاری تمھیں کُچھ نہیں نظر آتا ؟''

''صُبح۔صُبح کہیں دارو تو نہیں چڑھائی تُم نے؟''

یہ تو واقعی توہین تھی کپتان چاچا کی - ''حرامخور ! وردی پہنتے ہو ..... دیش کی ڈیوٹی کرتے ہو ...... جنتا کا نمک کھاتے ہو ..... اور اُنھیں کے ساتھ گندے مذاق کرتے ہو تُم؟''

حولدار کو کوئی طیش نہیں آیا۔

''ارے چھوڑو نا صاحب، کیا چھوٹی سی بات پکڑ کر بیٹھ گئے ! دیش میں اور بہت کُچھ ہے ٹھیک کرنے کے لیے۔''

''یہی تو ...... یہی مُشکل ہے۔ جِسے اب تُم چھوٹی بات کہتے ہو، اُسے پہلے سے ٹھیک کیا ہوتا تو باقی بہت کُچھ ٹھیک ہو جاتا۔''
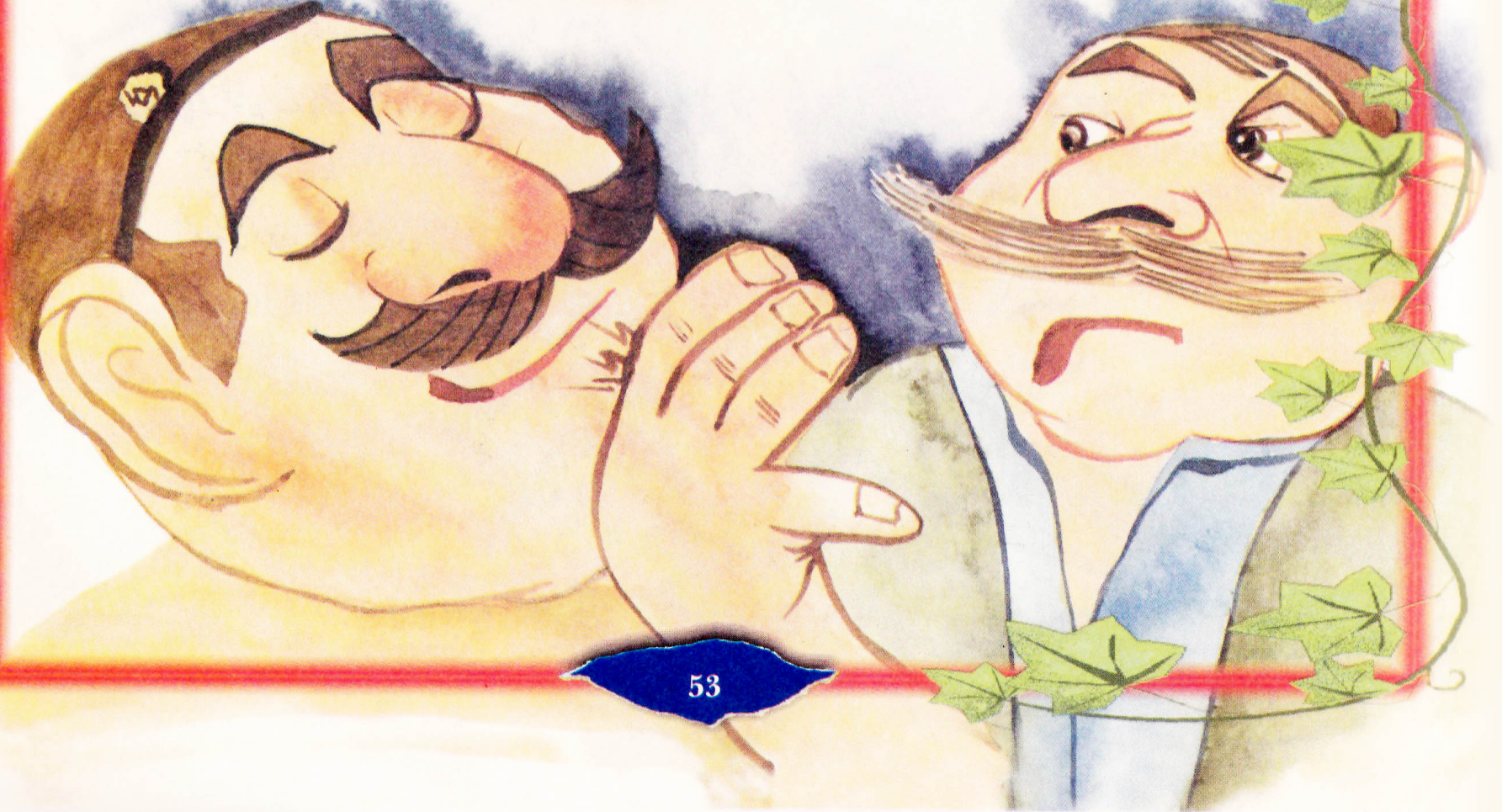
بھالچندر کو دیر ہو رہی تھی۔ اُس نے بچ نِکلنے کی کوشش کی۔

کپتان چاچا نے دیکھ لیا - ”گرفتار کرو اُسے ! وہ جا رہا ہے، وہ دیکھو ......“

بچّوں نے بھاگ کر اُس کے ہاتھ سے پوٹلی چھین لی۔

”دو ...... اِدھر دو ..... واپس کرو !“

بچّوں نے پوٹلی کیپٹن کے ہاتھ میں تھما دی۔

”نہیں دُوں گا۔“

”واپس کر دو، میں کہتا ہوں!“

”نہیں دُوں گا!“

''یہ کیا زبردستی ہے !''

بھالچندر نے حولدار سے مدد چاہی - ''حولدار ! یہ دیکھو، یہ کیا ہو رہا ہے - تمھارے سامنے!''

حولدار نے کپتان کو دھمکی دی -

''واپس کردو، نہیں تو میں تُم کو گرفتار کرلوں گا!''

کپتان چاچا نے اچانک حولدار کو ہی

گردن سے پکڑلیا۔

''چل، میں تجھے پولس کے حوالے کرتا ہُوں۔''

''ارے ..... چھوڑو ...... پولس کو کیسے پولس کے

حوالے کرے گا؟''

''تُجھے تھانیدار کے حوالے کروں گا،

چل پولس اسٹیشن !''

کپتان چاچا اُسے گھسیٹتے ہُوئے چال سے باہر لے گئے۔ بچّے ساتھ جانا چاہتے تھے، لیکن ان کے ماں باپ نے جانے نہیں دِیا، پر کپتان چاچا بچّوں کی نظر میں بڑے ہیرو ہو گئے۔

''کیا پکڑا پولس والے کو !''

دُوسرا بولا - ''ارے پولس ہے تو کیا ...... کیپٹن چاچا مِلیٹری کے ہیں .....!''

''مِلیٹری کیا بڑی ہوتی ہے پولس سے ؟'' ایک اور نے پُوچھا۔

''اور کیا؟..... پولس تو بس بمبئی کی ہے...... مِلیٹری تو سارے دیش کی ہے۔ کیپٹن چاچا کی طرح!''

کیپٹن چاچا ایک ہاتھ میں پارسل اور دُوسرے ہاتھ میں حولدار کو پکڑے ہُوئے پولس اِسٹیشن میں داخل ہُوئے۔

اِنسپکٹر نے حیرت سے دیکھا۔

''گِرفتار کر لیجیے اِسے۔ بند کر دو اندر !''

اِنسپکٹر کھڑا ہو گیا ۔ ''کیا کِیا ہے اِس نے ؟''

''وردی کی توہین کی ہے اِس نے...... دیش سے غدّاری کی ہے ...... نمک حرام...''

اِنسپکٹر کو چلاّنا پڑا -

'' چھوڑو کالر اُس کا...... کیوں حولدار! کیا ہوا گیا؟''

'' اب کیا بتاؤں صاحب! مُجھے تو لگتا ہے، صُبح صُبح دارُو چڑھالی ہے صاحب نے! ایک بھلا آدمی پُوریاں اِس کپڑے میں باندھ کر......''

'' کپڑا! پھر کپڑا کہتے ہو اِسے؟ یہ کپڑا نہیں ہے - جھنڈا ہے۔ جھنڈے کی توہین کرتے ہو؟ یہی تو بات ہے - بس! یہی بات ہے۔''

حولدار اور کپتان چاچا دونوں ہی چلاّ رہے تھے۔

کپتان کہہ رہے تھے۔

'' میری چال میں یہی غدّاری ہے۔ جھنڈے پر ناز نہیں کرتے لوگ۔ صرف ایمان کرتے ہیں! کہاں ہے دیش-پریم جسے......''

اور حولدار اپنی صفائی دے رہا تھا۔

''اُدھر ایک آدمی نے پردہ بنا رکھا تھا - یہ چلّانے لگے۔

بچّوں بچّوں کو پٹا کر رکھا ہے اِس نے..... بچّے اِس آدمی کے پیچھے......''

حولدار نے اپنی صفائی کے لیے جھوٹ بول دِیا۔ کپتان چاچا نے تردید کی۔ بات ہوتے ہوتے اِتنی گرم ہوگئی کہ کپتان چاچا نے حولدار کو چپت دے ماری۔ اِنسپکٹر نے طیش میں آکر کپتان چاچا کو حوالات میں بند کردینے کا حُکم دے دیا۔

دو دوسرے حولدار زبردستی اُنھیں گھسیٹتے ہُوئے حوالات کی طرف لے گئے۔ کپتان چاچا بیچارے چلّاتے ہی رہے۔

''دیکھ لُوں گا...... تُم سب کو دیکھ لُوں گا...... پردھان منتری کو چِٹھّی لِکھ کر، تُم سب کی چھٹّی کردوں گا میں.....''

حولدار نے چاچا کو حوالات میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

لیکن اُس دِن چال کی گہما گہمی میں کوئی کمی تھی ۔روز کی طرح
چال میں شام آئی-بتّیاں جلنے کا وقت ہوگیا - نرِندراور دُرگا پرساد کیرم کھیل رہے تھے - رحیم
میاں اور سُبرِ منیم شطرنج کھیل رہے تھے۔ بھالچندر اخبار پڑھ رہا تھا۔ میری برآمدے میں بیٹھی
سِلائی کر رہی تھی - اور بچّے چُپ چاپ ایک طرف سیڑھیوں پر اُوپر نیچے بیٹھے تھے - روز کی طرح گیند
نہ لٹو...... کُچھ نہیں !
بھالچندر بولے -
''کیا بات ہے،
دھیان نہیں لگ رہا
اخبار میں !
بڑا سنّاٹا ہے آج!''
''سُبرا ! کوفی کا کیا ہوا ؟''
وسنتا نے آواز دی - ''لا رہی ہُوں ..... ریڈی ہے۔ شوکت، سُمن..... چلو نیچے کوفی کے لیے!''

ہر اتوار، ایک ایک گھر میں، باری باری سب کے لیے چائے یا کوفی تیار ہوتی تھی۔

کوفی بھی آ گئی، لیکن سنّاٹا نہیں ٹوٹا۔

رما تائی کو کُچھ اٹ پٹا سا لگ رہا تھا؛ بولی -

''بچّوں کو کیا ہو گیا ہے آج ؟ بڑے چُپ ہیں۔''

''کیوں رے شیطانو! کھیلنا نہیں ہے آج ؟''

سُبر ِمنیم اُن کو دیکھ کر حیران رہ گیا - ''ارے مُنہ پھیر لیا سب نے ؟''

میری نے چشمے سے نظر اُٹھائی - ''بیڈ مینرس ...... سوزی ! ایسے نہیں کرتے۔ جواب دو۔''

سوزی نے سب بچّوں کی طرف دیکھا - لیکن ماں نے کہا تھا؛ اُسے ہی جواب دینا پڑا -

''دُرگا انکل، جب تک وہ جھنڈا نہیں ہٹائیں گے کھڑکی سے، کوئی بچّہ آپ لوگوں سے بات نہیں کرے گا۔''

دُرگا پرساد نے ہی جواب دِیا ۔

''ارے واہ ! کیپٹن چلا گیا، پُوری پلٹن چھوڑ گیا !''

نِرندر نے سمجھانے کی کوشِش کی ۔ ''بچّو ! تُم لوگ مت پڑو اِس جھنجھٹ میں ۔''

''کیپٹن تو کُچھ بھی اُوٹ پٹانگ بولتا رہتا ہے ۔ اور تُم لوگ سُنتے رہتے ہو ۔''

سُمن اچانک وِرودھی پارٹی کے پکش سے ہٹ گئی۔ ''اُوٹ پٹانگ تو کُچھ بھی نہیں بولا..... کیا بُرا کہا تھا اُس نے؟''

رما تائی بھی اُس کے ساتھ ہو لی ۔

''اور سوزی بھی کیا بُرا بولی ۔ جھنڈے کو عزّت دینے کو ہی تو کہا تھا !''

بھالچندر حیران رہ گئے ۔ ''ارے تمھیں نے تو صُبح جھنڈے میں پُوریاں باندھ کر دی تھیں۔
اب بات کرتی ہو ؟''

''غلطی ہو گئی تو کیا ہوا، اپنی غلطی مان لو..... آپ کو غلطی مان
لینے میں کوئی شرم آتی ہے ؟''

ایک ایک کر کے ساری عورتیں ایک طرف ہونے لگیں۔ چندرا بھی اُن میں شامِل ہو گئی ۔

''مُجھے بھی یہی لگ رہا تھا رما تائی ! کیپٹن ٹھیک کہہ رہے تھے ۔ لیکن میں چُپ رہی ۔''

رحیم میاں نے سر اُٹھایا۔

''کیوں چُپ رہی چندرا ؟ میاں غلطی کرے تو بولنا چاہیے نا! چلو، چال چلو!''

''تو آپ نے بھی غلطی کی تھی صُبح ! آپ بھی بہت بول رہے تھے - '' شوکت بیگم نے اپنے میاں کی غلطی بتائی۔

دُرگا پرساد کو کُچھ اچھا نہیں لگا - ''کیا جھنڈے کے پیچھے پڑے ہیں صُبح سے!''

بچّے غُصّے میں بھرے سب سُن رہے تھے۔ رگھو بھرا ہوا تھا بولا -

''جھنڈے کا مطلب کیا ہوتا ہے، پتا ہے آپ کو .....؟''

''ترنگے میں تین رنگ کیوں ہوتے ہیں، پتا ہے؟'' یہ سلمہ تھی۔

لالیتا ان سب میں بڑی تھی۔ بولی - ''کیپٹن چاچا کہا کرتے ہیں، دُنیا میں کہیں بھی چلے جاؤ، اپنے جھنڈے کو دیکھ کر لگتا ہے کہ تُم اکیلے نہیں ہو۔ تمھارے پیچھے پُورا دیش کھڑا ہے۔''

''سوزی نے کہا - ''اور کہتے ہیں، جھنڈا ہے تو دیش ہے ..... دیش ہے تو ہم ہیں۔''

سب بڑے یہ باتیں سُن کر حیران رہ گئے۔ مُنہ کُھلے ہُوئے ایک- دُوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ مِسز ڈسوزا نے اُٹھ کر سُوزی کو گلے لگالیا۔

''ہاؤ بیوٹی فُل ...... ہاؤ بیوٹی فُل سوزی!''

تھوڑی دیر کے لیے چال کے آنگن میں پھر سنّاٹا ہوگیا - سب چُپ تھے۔ بچّوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کِسی کی آنکھ بھر آئی۔ کِسی کا گلا بھر گیا۔ رما تائی نے اُٹھ کے آنگن کی بتّی جلائی۔ دُرگا پرساد نے خاموشی توڑی - ''رگھو ! جاؤ بیٹا، اُتار دو اُس جھنڈے کو۔''

بچّے اُچھل کے کھڑے ہو گئے اور دُوسرے لمحے شور مچاتے ہوئے بھاگے اُوپر کی طرف - اپنے آپ ان کے مُنہ سے 'جے ہند' نِکل گیا۔ صرف چھوٹی سلمہ چل کے سوزی کے پاس آئی، جو اب تک میری کے پاس کھڑی تھی۔

''پھُپھی ! کیپٹن تا تا کب آئیں گے؟''
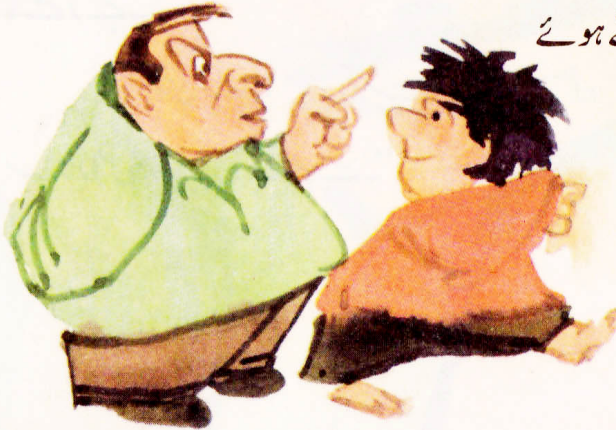
باقی لوگوں کو بھی اُس کا خیال آ گیا -

''اُس کا پتا کرنا چاہیے۔''

''کہیں اُن بیچارے کو ہی نہ بند کر دِیا ہو اندر !''

سُمن نے کہا - ''آپ لوگ جا کر دیکھ کیوں نہیں آتے ؟''

یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا، ایک دم تینوں چاروں کھڑے ہو گئے۔

اِسٹیشن پر جب پتہ چلا کہ سچ مُچ پُولس والوں نے کپتان چاچا کو بند کر دِیا ہے تو بڑی شرمندگی ہوئی سب کو۔ چُھڑا تو لِیا اُنھیں، لیکن سارے راستے لوگ کیپٹن سے معافی مانگتے رہے۔

''کیپٹن چاچا ! بچّوں کو مت بتائیے گا..... وہ سب ناراض ہو جائیں گے ہم سے۔''

''میں کیوں بتانے لگا ؟ میں چال چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جہاں میرے دیش کی عزّت نہیں، وہاں میں کسی کی عزّت نہیں کرتا۔''

دُرگا پرساد نے تو بس پاؤں ہی چُھو لیے۔ ''ایسا مت کرو کپتان ! بھُول ہماری تھی - ہماری بھول کے لیے بچّوں کو سزا مت دو۔''

''تو کِسے سزا دُوں؟''

''ہمیں دو، ساری چال کو دو۔''

کپتان نے رُک کے دیکھا سب کی طرف اور پھر سزا سُنا دی۔

''تُم سب لوگ چھبّیس جنوری سے پہلے قومی گیت زبانی یاد کر کے سُناؤ گے مُجھے۔''

چھبّیس جنوری کے دِن چال کے بیچوں بیچ لگے کھمبے پر ترنگا لہرایا گیا اور سب نے مِل کر قومی گیت گایا :

جن- گن- من ادھینا یک جئے ہے

بھارت- بھا گیہ -وِدھاتا۔

پنجاب سندھ گُجرات مراٹھا

دروِڑ اُتکل بنگ،

وِندھ- ہماچل- یمنا- گنگا

اُچھّل جلدھ ترنگ

تو شوبھ نامے جاگے

تَو شُوبھ آشِش مانگے

گاہے تَو جئے- گاتھا۔

جن- گن-منگلدایک جئے ہے

بھارت- بھا گیہ -وِدھاتا

جئے ہے، جئے ہے، جئے ہے،

جئے جئے جئے جئے ہے!!

کپتان چاچا نے اِس خوشی کے موقعے پر مِٹھائی بانٹی۔ لڈّو مُنہ میں ڈالتے ڈالتے نِزندر رُکا۔

"کیپٹن! اِس کے کِتنے پیسے دینے ہوں گے؟"

کپتان زور سے ہنسے۔

”کُچھ نہیں ! یہ میری طرف سے گن تنتر دِن کی شُو بھ کامناؤں کے ساتھ ! جئے ہند !“

قومی اردو کونسل کی بچّوں کے لیے چند دلچسپ کتابیں

چڑیا گھر کی بطخ

مصنف: ہری گوپال سوامی شری نواسن/مترجم: نجمہ نقوی

چڑیا گھر کی سیر بچوں کی دلچسپ تفریحوں میں سے ایک ہے۔ یہ کہانی ایسی ہی ایک سیر کی کہانی ہے، جو بچوں کو بہت پسند آئے گی اور وہ اسے بار بار پڑھنا چاہیں گے۔

صفحات: 16، قیمت -/15 روپیے

دوست بنائے نئے نئے

مصنفہ: الکا شنکر/مترجم: نجمہ نقوی

بچوں کو جانوروں اور پھولوں سے بڑا لگاؤ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اس کی بہترین عکاسی ہوئی ہے۔ ان کہانیوں میں بچوں کے معصوم ذہن اور ان کی فطرت کا خوبصورت اظہار ہوا ہے۔

صفحات:32، قیمت: -/20 روپیے

جانوروں کی دنیا

مصنفین: کرنل اے۔ ڈیوڈ، شیو کمار/مترجم: انیس اعظمی

مختلف قسم کے جانوروں کے وجود سے نہ صرف ہماری دنیا کا حسن قائم ہے بلکہ یہ مختلف صورتوں میں ہمارے کام بھی آتے ہیں۔ اس کتاب میں 64 جانوروں سے متعلق تفصیلی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ ساتھ میں ان کی رنگین تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

صفحات: 80، قیمت: -/55 روپیے

سمندر کی پکار

مصنفین: ٹی۔ پکشی راجن، ٹی۔ کارتھی کیان

مترجم: حیدر جعفری سید

سمندر بنی نوع انسان کا اوّلیں گہوارہ ہے۔ کتاب میں سمندر اور سمندر میں پائے جانے والے تمام جاندار اور بے جان اشیا سے متعلق معلومات پیش کی گئی ہیں۔ سمندروں سے متعلق اب تک کی جانے والی ریسرچ پر بھی اس کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات: 104، قیمت: -/37 روپیے

ISBN - 81-7587-036-2